مشتاق احمد یوسفی: فکر و فن

ڈاکٹر مظہر احمد

ایسوسی ایٹ پروفیسر ذاکر حسین دلّی کالج (شبینہ)

اسے اردو زبان و ادب کی خوش قسمتی تصور کرنا چاہیے کہ مشتاق احمد یوسفی جیسا نثر نگار، ظرافت نگار اور دانشور اُسے میسّر آیا۔ اردو کے تمام ناقدین اور اصحاب الرائے اس امر پر متفق ہیں کہ مشتاق احمد یوسفی اردو زبان و ادب کے صفِ اوّل کے ادیبوں میں شامل ہیں اور کسی ادیب کی اس سے بڑی خوش قسمتی اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس کا عہد اُسے محبت اور اخلاص سے نہ صرف اپنائے بلکہ اپنا قیمتی سرمایہ بھی تسلیم کرے۔ بلاشبہ مشتاق احمد یوسفی کاروانِ طنز و مزاح کے سردار تھے۔

اردو ادب میں طنز و مزاح کی روایت اتنی ہی قدیم ہے، جتنا اردو ادب۔ بطور خاص میدانِ نثر میں کئی بڑے ادیبوں نے اس نوع کے ادب کی آبیاری کی ہے اور اپنی شگفتہ تحریروں سے پژمردہ دلوں کو فرحت و تازگی بخشی ہے۔ ایسے ادیبوں میں رشید احمد صدیقی، پطرس بخاری، شوکت تھانوی، فکر تونسوی، احمد جمال پاشا اور کرنل محمد خاں وغیرہ خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ یوسفی نے ان سب سے کسبِ فیض کیا ہے، مگر بطورِ خاص پطرس بخاری اور رشید احمد صدیقی کے فکر و فن اور ادبی وراثت کے وہ دل سے قائل ہیں اور اپنی تحریروں میں جا بجا انھیں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں مزاح کی مغربی روایت کو مشرقی تہذیب و تمدن میں انگیز کر کے انھوں نے بالکل نیا رنگ و آہنگ اور اسلوب ایجاد کیا ہے اور یہ اردو کے فکاہیہ ادب میں نہایت اہم اضافہ ہے۔

مشتاق احمد یوسفی سے صرف پانچ کتابیں منسوب ہیں۔ ''چراغ تلے'' اور ''خاکم بدہن'' ان کے مزاحیہ مضامین کے مجموعے ہیں، جب کہ 'زرگزشت' ان کی خودنوشت سوانح عمری ہے، جسے انھوں نے سوانح نو عمری کہا ہے۔ جب کہ ''آبِ گم'' پانچ معرکتہ الآرا مضامین کا مجموعہ ہے جس میں انھوں نے ناسٹلجیا کو بنیاد بنا کر برصغیر کے ہجرت زدہ انسانوں کے دُکھ درد کی کہانی بر طرزِ مزاح بیان کی ہے۔ ان کی آخری کتاب ''شامِ شعر یاراں'' ہے جس میں شامل بیش تر مضامین کسی تقریب یا سمینار وغیرہ میں پڑھے گئے اور بعد ازاں عاشقانِ یوسفی نے انھیں کتابی شکل دی۔

مشتاق احمد یوسفی کی ظرافت ان کے گہرے سماجی شعور اور روایات سے اُبھرتی ہے۔ انھوں نے اپنے مضامین میں ادبی شعور، روایات سے آگہی اور سماجی و معاشرتی زندگی کے متضاد پہلوؤں کی جانب بڑے معنی خیز مگر مزاحیہ اشارے کیے۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں سے مزاح پیدا کرتے ہیں۔ ان کی شگفتہ تحریریں ادبی وقار اور مزاحیہ تیکھے پن کی پروردہ ہوتی ہیں۔ یوسفی کے مزاح میں ادب کی کلاسیکی روایت کا رچاؤ اور رکھ رکھاؤ موجود ہے، وہیں جدید ادیب کے رویّوں اور ہند و پاک کی علاقائی زبانوں کی تازگی و توانائی نے بھی ان کے فن کو ایک نئی جہت عطا کی ہے۔

یوسفی نے مزاح کے تقریباً تمام حربوں کو بحسن و خوبی استعمال کیا ہے۔ چنانچہ ان کے اسالیب ظرافت میں مزاحیہ واقعہ نگاری، کردار نگاری، لفظی مزاح، تحریف یعنی پیروڈی موازنہ اور علم بیان کے ساتھ ساتھ قولِ محال خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

یوسفی کی پہلی چار تصانیف کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ اُن کتابوں کے مقدمے بھی اُن ہی کے زورِ قلم کا نتیجہ ہیں اور مقدمے بھی اتنے ہی دلچسپ اور پُر از مزاح ہوتے ہیں کہ جزو کتاب لگتے ہیں۔ ان فکر انگیز مقدموں میں یوسفی نے فنِ طنز و مزاح پر بھی خامہ فرسائی کی ہے۔ جس سے ان کی وسعتِ نظر کے پہلو بہ پہلو طنز و مزاح کے نظری پہلوؤں پر ان کی مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مشرق و مغرب کے اکابر کے حوالوں کے ساتھ ساتھ فن سے متعلق اُن کی آرا قابل توجہ ہیں۔ ان میں سے چند آرا ملاحظہ فرمائیں:

> ''عمل مزاح اپنے لہو کی آگ میں تپ کر نکھرنے کا نام ہے۔ لکڑی جل کر کوئلہ بن جاتی ہے اور کوئلہ راکھ، لیکن اگر کوئلے کے اندر کی آگ باہر سے تیز ہو تو پھر وہ راکھ نہیں بنتا ہیرا بن جاتا ہے۔''
>
> ''میرا عقیدہ ہے کہ جو قوم اپنے آپ پر جی کھول کر ہنس سکتی ہے وہ کبھی غلام نہیں ہوسکتی۔''
>
> ''مزاح نگار کے لیے نصیحت، فضیحت اور فہمائش حرام ہے۔''

طعن وتشنیع سے اگر دوسروں کی اصلاح ہوجاتی تو بارود ایجاد کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

مشتاق احمد یوسفی کے دو ابتدائی مجموعے ''چراغ تلے'' اور خاکم بدن'' دراصل ان کے چنندہ مضامین کے مجموعے ہیں۔ یوسفی نے انھیں کھٹے میٹھے مضامین قرار دیا ہے۔ ان مضامین میں فنِ طنز ومزاح کے مروجہ تمام حربوں سے کام لیا گیا ہے۔ یوسفی انسانی زندگی اور اس کے نشیب وفراز کے نباض ہیں۔ مزاحیہ واقعہ نگاری کے ساتھ ساتھ مزاحیہ کردار نگاری کے عمدہ نمونے ان کے ابتدائی مضامین میں موجود ہیں۔ مضمون ''چارپائی اور لکچر'' یوں تو رشید احمد صدیقی کے مضمون کا پرتو نظر آتا ہے، مگر یوسفی نے اپنی انفرادیت کے نقوش سے اسے دوچند کردیا ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

''اب سنیے مجھ پر کیا گزری۔ مرزا خود تو فولڈنگ چارپائی پر چلے گئے، مگر جس چارپائی پر مجھ کو بطورِ خاص منتقل کیا گیا اس کا نقشہ یہ تھا کہ مجھے اپنے ہاتھ اور ٹانگیں احتیاط سے تہہ کرکے بالترتیب سینے اور پیٹ پر رکھنے پڑے۔ اس شبِ تنہائی میں کچھ دیر پہلے نیند سے یوں دوچشمی بنا یونانی میزبان پر وقراط کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس کے حدود اربعہ کے متعلق اتنا عرض کردینا کافی ہوگا کہ انگڑائی لینے کے لیے مجھے تین چار مرتبہ نیچے کودنا پڑا۔''

''کتّے'' سے مزاح نگاروں کی رفاقت و رقابت جگ ظاہر ہے۔ پطرس بخاری، کنہیالال کپور وغیرہ کے علاوہ یوسفی نے بھی متعدد مرتبہ اس پر خامہ فرسائی کی ہے۔ چنانچہ ''سیزر، ماتاہری اور مرزا'' کے عنوان سے ان کے مضمون کا مرکز ومحور بھی کتّا ہے۔ مضمون کی ابتدا مزاحیہ واقعہ نگاری اور مزاحیہ صورتِ حال سے ہوتی ہے۔ کتّوں کے بھونکنے کی صلاحیت پر یوں اظہارِ خیال کرتے ہیں:

''یوں تو بھونکنے کی تمام متداول اصناف میں اُستادانہ مہارت رکھتا تھا، لیکن چاندی چھٹکی ہوا اور طبیعت حاضر ہو تو پھر ایسی اوریجنل طرز اختیار کرتا کہ جتنی مرتبہ بھونکتا طبیعت کو ہر بار نئی کوفت حاصل ہوتی تھی۔''

یوسفی کا یہ مضمون دردمندی کی کیفیت کا بھی آئینہ دار ہے۔ دراصل یہ ایک کتّے کا کامیاب خاکہ ہے۔ یوسفی کتّے کا کردار تخلیق کرتے ہیں، اس سے نفرت اور الفت کا اظہار کرتے ہیں اور اس کے انجام یعنی موت پر نوحہ کناں بھی ہوتے ہیں۔

مشتاق احمد یوسفی کی تیسری کتاب ''زرگزشت'' دراصل ان کی مزاحیہ سوانح عمری ہے جس میں سوانحی کوائف کم اور خیالی دنیا یعنی فینٹسی کی کارگزاریاں زیادہ ہیں۔ اس کتاب کے ذریعے اردو ادب کی قدآور شخصیت کو جاننے اور سمجھنے کا موقع بھی فراہم ہوتا ہے اور قدم قدم بلکہ سطر بہ سطر نشاط انگیزی کی کیفیت کے ساتھ ساتھ ہنسی کی پھلجھڑیاں بھی چھوٹتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ یوسفی کی یہ کتاب اس لحاظ سے بھی توجہ کی مستحق ہے کہ اس کا مزاح نہایت محنت، سلیقے اور ذہانت سے ترتیب دیا گیا ہے۔ وہ قصّہ در قصّہ کے اسلوب سے مزاح کا تانتا سا لگا دیتے ہیں، وہ زندگی سے عشق کرتے ہیں اور اہلِ دنیا سے ان کی یہ محبت ان کے فن کا طرّۂ امتیاز بن جاتی ہے۔ وہ جملہ معترضہ کے ساتھ Flash Back کے اسلوب سے بھی کماحقہٗ واقف ہیں اور اپنے فن میں اس کا برجستہ و برموقع استعمال کرتے ہیں۔ 'زرگزشت' کے ہر ہر صفحے پر ایک سیلاب قہقہہ ٹھاٹھیں مارتا نظر آتا ہے۔ یہاں چند جملے ملاحظہ فرمائیں:

''صاحبو! گیلا غسل شدہ کتّا سوکھے ہوئے کتّے سے زیادہ پلید ہوتا ہے۔''

''سب جانوروں اور پرندوں کو پشتو میں گالی دیتے تھے، لیکن کبوتر سے اردو میں خطاب کرتے تھے۔ کہتے تھے کبوتر سیّد ہوتا ہے۔

''ایجاد اور اولاد کے لچھن پہلے ہی سے معلوم ہوجایا کرتے تو دنیا میں کوئی بچہ ہونے دیتا اور نہ ایجاد۔

''ڈان اخبار کی ردّی نکلی، چند لاشیں بھی برآمد ہوئیں یہ ان چوہوں کی تھیں، جو اخبار مذکور الصدر کا ایڈیٹوریل کھاتے ہی ڈھیر ہوگئے۔''

مشتاق احمد یوسفی کی اگلی کتاب ''آبِ گم'' ان کے فکر وفن کا نقطۂ عروج کہی جاسکتی ہے۔ یہ ماضی پرستی کا وہ طنز ومزاحیہ منظرنامہ ہے، جس میں حال کہیں کھو گیا ہے اور مستقبل کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ وہ ماضی پرستی کے اسباب وعلل پر گہری نگاہ رکھتے ہیں اور افراد ہی نہیں، قوموں کے ناسٹلجیا پر بھی اظہارِ خیال کرتے ہیں۔ یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

''کبھی کبھی قومیں اپنے اوپر ماضی مسلط کرلیتی ہیں۔ غور سے دیکھا جائے تو ایشیائی ڈرامے کا اصل ولن ماضی ہے۔ ہر آزمائش، ادبار وابتلا کی گھڑی میں وہ اپنے ماضی کی طرف راجع ہوتی ہے اور ماضی بھی وہ نہیں جو واقعتاً تھا بلکہ وہ جو اس نے اپنی خواہش اور پسند کے مطابق از سرِ نو گھڑ کر آراستہ کیا ہے۔ ماضی تمنائی۔''

دراصل یہی ماضی تمنائی آبِ گم کا محرک اور ملجا وماویٰ ہے، جسے یوسفی

نے عمدہ اسلوب اور بے مثال داستان طرازی سے ایک ایسا آئینہ خانہ بنا دیا ہے جہاں ہر پیکر تقلیب کے عمل سے گزر کر ماضی کی پناہ گاہ میں ہمیشہ کے لیے گم ہو جاتا ہے۔

''آبِ گم'' کے یہ پانچ مضامین ایسے بے شمار کرداروں کی پناہ گاہ ہیں جہاں حال سے زیادہ ماضی اور ماضی پرستی ان کی زندگی کا سہارا ہے۔ مزاح نگاری کے دوش بدوش دردمندی اور انسان دوستی کی بے شمار مثالیں ''آبِ گم'' میں در آئی ہیں۔ مضمون ''حویلی'' کے قبلہ کا مسئلہ بھی ماضی ہے۔ وہ ہندوستان میں اپنی مٹّی کے ساتھ ایک حویلی بھی چھوڑ آئے ہیں اور جس کے فوٹو دکھا دکھا کر اپنی عظمت رفتہ کا احساس کرانا چاہتے ہیں۔ مکالمہ ''یہ چھوڑ کر آئے ہیں'' اس مضمون کا محرک بن گیا ہے۔ اس جملے کی ادائیگی سے قبلہ کی محرومی اور الم نا کی کا پورا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے اور مضمون کا خاتمہ اس دردانگیز تصویر کے ساتھ ہوتا ہے:

''اکثر خیال آتا ہے کہ اگر فرشتے انھیں جنت کی طرف لے گئے جہاں موتیا دھوپ ہوگی تو وہ باب بہشت پر کچھ سوچ کر ٹھٹھک جائیں گے۔ رضوان جلد اندر داخل ہونے کا اشارہ کرے گا تو وہ سینہ تانے اس کے قریب جا کر کچھ دکھاتے ہوئے کہیں گے:
''یہ چھوڑ کر آئے ہیں۔''

غرض ''آبِ گم'' کے تمام مضامین زمانے کے سرد و گرم پر طنز و مزاح کے تیز برساتے ہیں اور یوسفی کی انسان دوستی اور دردمندی کی صفات سے متصف ہیں۔

یوسفی کے اسلوب کی ایک خصوصیت تحریف یعنی پیروڈی بھی ہے۔ وہ اشعار، مصرعے، ضرب الامثال، محاورے اور کہاوتوں تک کی پیروڈی کر دیتے ہیں اور یہ پیروڈیاں اپنے سیاق و سباق میں پوری طرح رچ بس جاتی ہیں۔

''شامِ شعر یاراں'' میں یوسفی ایک کامیاب خاکہ نگار کی حیثیت سے اُبھرے ہیں۔ جملے بازی کا فن ان سے بہت سے اقوال بھی قلم بند کرا دیتا ہے۔ جن میں طنز و مزاح کے ساتھ اصلاح و پند کے لازوال نمونے پوشیدہ ہوتے ہیں۔

ظہیر فتح پوری نے لکھا تھا کہ ہم اردو مزاح کے عہد یوسفی میں جی رہے ہیں۔ افسوس کہ عہد یوسفی تمام ہوا اور یہ خبر کہ ۲۰ر جون کو اردو طنز و مزاح کے نابغۂ روزگار، یعنی صاحب طرز ظرافت نگار مشتاق احمد یوسفی، اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے، عاشقانِ یوسفی کی سماعتوں پر بجلی بن کر گری۔ ان کے چلے جانے سے فکاہیہ ادب میں ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے کہ جسے شاید ہی کبھی پُر کیا جا سکے۔ رہے نام اللہ کا۔

○○

قارئین سے گزارش

اردو اکادمی، دہلی سے شائع ہونے والے رسالے 'بچوں کا ماہنامہ امنگ' اور 'ایوانِ اردو' دہلی اپنی مقبولیت کے سبب ہندوستان کے گوشے گوشے تک پہنچتے ہیں، لیکن پھر بھی بعض لوگ شکایت کرتے ہیں کہ انھیں رسالہ نہیں ملا۔ وہ پہلے اپنے ڈاک خانہ سے رجوع کریں اور اپنا اندراج نمبر اور پتا چیک کرائیں۔ ساتھ ہی اپنے احباب اور متعلقین کو دونوں رسالوں کے خریدار بنائیں۔ تاکہ اردو کے فروغ میں آپ کی بھی حصّہ داری ہو سکے۔ (ادارہ)